عظمت قائداعظم کی چند جھلکیاں*

میاں بشیر احمد

کسی عظیم انسان کو جاننا مشکل ہے۔اس سے پوری طرح واقف ہونا گو ناممکن نہیں بے حد مشکل ضرور ہے۔انسان اپنے کاموں سے پہچانا جاتا ہے۔ایک عظیم انسان بھی ہمیشہ یہ نہیں جانتا کہ وہ دوسرے لمحے ہو بہو کیا کرنے والا ہے۔غیر متوقع حالات پیدا ہو سکتے ہیں اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ان حالات سے نباہ کر لے۔تاہم عام طور سے عظیم انسان دور اندیشی سے کام لیتے ہیں۔ان کی سوچ اور ان کے خیالات انسانی معاملات پر قابو حاصل کرنے میں ایک توانا سبب بنتے ہیں۔اسی سوچ کے ذریعہ وہ نہ صرف خود شناسی حاصل کرتے ہیں بلکہ واقعات جو رخ اختیار کر سکتے ہیں اس کا بھی انہیں اندازہ ہوتا ہے۔کچھ لوگوں نے ''قائداعظم میری دانست میں'' کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔مجھ سے بھی یہی کہا گیا ہے کہ اس عظیم انسان کے متعلق اپنے تاثرات بیان کروں۔

اس سلسلے میں مجھے یاد ہے کہ قائداعظم کی زندگی میں ایک مرتبہ کراچی میں بمبئی کے ایک صاحب سے میں بات کر رہا تھا جو قائداعظم کو مجھ سے زیادہ مدت سے جانتے تھے۔میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ انہیں کتنا جانتے ہیں۔''انہیں جاننا'' وہ یکدم بولے ''انہیں جاننا ناممکن ہے۔وہ ایک چٹان کی مانند ہیں۔کون جانتا ہے کہ چٹان کے اندر کیا ہے؟'' درحقیقت وہ ایک چٹان ہی تھے جو مشکلات کے ہندوستانی سمندر میں سر اٹھائے کھڑی تھی، بلند و بالا موجیں چاروں طرف سے آ کر اس سے ٹکرا رہی تھیں۔انہیں اس طرح متین، ثابت قدم اور پرعزم دیکھ کر ہی ہم نے انہیں پہچانا کہ انہوں نے کیا کارنامہ سرانجام دیا اور وہ کیا تھے۔

مسٹر جناح سے ذاتی ملاقات ہونے سے بہت پہلے میں نے ان کے متعلق سن رکھا تھا۔ان کے متعلق میری اولین یادداشت کا تعلق اس خبر سے ہے جو میں نے دھرم پورہ میں لاہور کے سول اینڈ ملٹری گزٹ سے اپنے والد جسٹس شاہ دین کو جون ۱۹۱۸ء میں ان کی شدید اور آخری علالت کے دوران پڑھ کر سنائی تھی۔جہاں تک مجھے یاد ہے اس خبر میں یہ بتایا گیا تھا کہ امپیریل لیجسلیچر کے اجلاس شملہ میں مسٹر جناح نے کس طرح پنجاب کے لیفٹننٹ گورنر سر مائیکل اوڈائر کی اس کے ظالمانہ برتاؤ اور آمرانہ طرز عمل پر مذمت کی تھی۔یہ سن کر میاں شاہ دین جو اپنے بستر میں بیماری کی وجہ سے بے دم پڑے ہوئے تھے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور وہ ایک بجھی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولے کہ انہیں بے حد خوشی ہوئی ہے کہ کسی میں تو بالآخر یہ اخلاقی جرات پیدا ہوئی کہ ایک مغرور حکمران کے متکبرانہ طرز عمل کے خلاف آواز اٹھائے۔دو تین سال کے بعد ۱۹۲۱ء میں جب نئی سنٹرل اسمبلی کا اجلاس شملہ میں ہوا اور مسٹر جناح اس کے ممبر منتخب ہو گئے تھے تو میں نے انہیں پہلی بار اسمبلی میں بولتے

مترجم: پروفیسر منور علی خان، اسلام آباد۔

ہوئے سنا اور ہزاروں ہندوستانیوں کے مجمع میں گورنمنٹ آف انڈیا اور اس کے حاشیہ برداروں کے خلاف ان کی بے لاگ تقاریر اور بیباکانہ تنقید کو دل کی گہرائیوں سے سراہا۔ میرے خسر سر محمد شفیع اس وقت وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے اور مجھے مسٹر جناح سے اس وقت ملنے کا اتفاق ہوا جب سر محمد شفیع نے انہیں اپنی سرکاری رہائش گاہ پر لنچ کے لیے مدعو کیا تھا۔ وہاں میں نے مسز رتی جناح کو میزبان کے برابر بیٹھے دیکھا۔ میں نے انہیں دنوں اپنے ذہن میں مسٹر جناح کو اپنا ہیرو بنالیا تھا۔ میں نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں اپنے اردو کے رسالے ہمایوں میں اپنا پہلا مختصر افسانہ لکھا تھا جس میں ہیرو ایک ایسا شخص تھا جو سنٹرل اسمبلی میں ہندوستانیوں اور مسلمانوں کے حقوق اور ان کے عزائم کے حامی مسٹر جناح کا مداح تھا۔

مسٹر جناح سے میری پہلی باقاعدہ ملاقات اور باہمی تبادلہ خیالات کا موقع جون یا جولائی ۱۹۲۷ء میں شملہ کے مقام پر ملا۔ میرے بہنوئی کی طرف سے دی گئی ایک مختصر سی لنچ پارٹی کے دوران میں جس میں تقریباً بارہ لوگ شریک تھے مسٹر جناح نے مجھ سے کہا کہ میں دوسرے دن گرینڈ ہوٹل میں ان کے کمرے میں ان سے ملوں۔ وہاں جب میں ان سے ملا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میرا شغل کیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ اردو میں کچھ ادبی کام کر رہا ہوں اور ماہنامہ ہمایوں نکالتا ہوں۔ جس کا مقصد مسلمانوں کی روایات کو محفوظ کرنا اور زندگی کی صحیح قدروں کی تشہیر کے ذریعہ اپنی قوم کی خدمت کرنا ہے۔ انہوں نے میرے کام کو سراہا اور مجھ سے کہا کہ میں یہ بھی سوچوں کہ اس وقت اردو کا مسئلہ محض ادبی ہے یا تعلیمی ہے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ اب درحقیقت یہ سیاسی مسئلہ ہے۔ اگر ہندو مسلمانوں کے درمیان موجودہ اختلافات اور ناخوشگوار تعلقات کے نتیجہ میں مسلمان مغلوب ہو گئے تو مسلمان اور ان کا مذہب، ان کی ثقافت اور ان کی زبان سب کچھ ان کے ساتھ ہی ناپید ہو جائیں گے۔ لہذا انہوں نے مجھ سے اپیل کی کہ میں اپنے گوشہ تنہائی سے نکلوں، لکھنؤ آ جاؤں اور آل انڈیا مسلم لیگ کی کارروائیوں میں شریک ہو کر ہندوستان میں اردو زبان کو سیاسی تقویت پہنچانے کے لیے قرارداد منظور کرانے میں مسلم لیگ کی خاص طور پر مدد کروں۔ میری درخواست پر انہوں نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کو خط لکھ کر لکھنؤ آنے کی دعوت دی۔ لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پچیسواں سالانہ اجلاس ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ہوا جہاں ہندوستان میں اردو کو تقویت پہنچانے کے لیے ایک وسیع المقاصد اور پرزور قرارداد منظور کی گئی۔

مسلم لیگ کا یہ اجلاس لکھنؤ مسلم لیگ کے احیاء کی تاریخ میں ایک موڑ ثابت ہوا۔ پورے ملک میں عام انتخابات کے نتیجہ میں کانگریس گیارہ میں سے سات صوبوں میں برسر اقتدار آ گئی تھی لہذا پنڈت جواہر لال نہرو کے الفاظ میں اس نے اعلان کیا کہ ہندوستان میں دو ہی طاقتیں ہیں ایک برٹش گورنمنٹ اور دوسری انڈین نیشنل کانگریس۔ مسلمانوں کے تحرک پسند لیڈر مسٹر جناح نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اس بیان کو چیلنج کیا اور کانگریس اور ہندوؤں کو متنبہ کیا کہ ایک تیسری طاقت بھی قابل ذکر ہے جو آل انڈیا مسلم لیگ ہے۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے مسلمان لکھنؤ امڈ آئے تھے اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو گئے تھے۔ مسلم لیگ پہلی مرتبہ مسلم ہندوستان کے حقیقی نمائندے کی حیثیت سے نمودار ہوئی۔ مسلمانوں پر اس کا اثر بجلی کی سرعت کے

ساتھ ہوا اور مجھ جیسا ادبی مصروفیت رکھنے والا انسان بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گیا۔ میں لاہور واپس آ گیا جہاں مجھے پنجاب مسلم لیگ کا جائنٹ سیکرٹری مقرر کر دیا گیا جس کے صدر اس وقت علامہ اقبال تھے۔

دو سال بعد نواب شاہنواز خان آف ممدوٹ کی ایماء پر میں نے مسلم لیگ کی استقبالیہ کمیٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالا اور لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نہایت اہم ستائیسویں اجلاس کے انعقاد کا انتظام کیا۔ اسی اجلاس میں ۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ اس اجلاس کے انعقاد میں کچھ بدشگون مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ لیگ کے اجلاس کی تیاریوں کے دوران میں خاکسار لیڈر علامہ مشرقی نے بزعم خود مسلم ہندوستان کا لیڈر بن جانے کی پرخلوص لیکن نامناسب خواہش کی تکمیل میں پنجاب کی سیاسی صورت حال سے ناموزوں طور پر فائدہ اٹھانا چاہا۔ یونینسٹ حکومت نے ان حالات سے نبٹنے کے لیے آمرانہ طور پر بشمول خاکسار تنظیم تمام نیم فوجی فرقہ وارانہ تنظیموں پر پابندی عاید کر دی۔ خاکسار لیڈر نے اس پابندی کی خلاف ورزی کی اور اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ لاہور کے بازاروں میں بیلچے لگا کر مارچ کریں۔ اس خلاف ورزی کی بناء پر ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو خاکساروں اور مسلح پولیس کے درمیان ایک خونیں تصادم عمل میں آیا۔ پولیس کی جارحیت اور اختیارات کے بے جا استعمال کی وجہ سے کئی خاکسار شہید ہو گئے۔ اس حادثے سے مسلمان عوام بیحد مشتعل ہوئے۔ بحیثیت وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات کی سرکردگی میں پنجاب گورنمنٹ کی خواہش تھی کہ مسلم لیگ کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔ پنجاب کی کابینہ سے سوال و جواب کی غرض سے مجھے اور نواب ممدوٹ کو سکریٹریٹ بلایا گیا اور دو گھنٹے تک ہم پر بیحد دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ ہم ان کی ناجائز خواہش کی تکمیل کے لیے رضامند ہو جائیں۔ ہم نے تجویز پیش کی کہ اس سلسلے میں قائداعظم سے جو اس وقت دہلی میں ہیں رابطہ کیا جائے۔ جب ٹیلیفون پر ان سے رابطہ ہوا تو سر سکندر نے رائے عامہ کے رجحان کو محسوس کرتے ہوئے اور سمجھداری سے کام لے کر قائداعظم کو بتایا کہ انہوں نے اور لیگ کے منتظمین نے لاہور کی غیر یقینی سیاسی صورت حال کے باوجود یہ فیصلہ کیا ہے کہ لیگ کا اجلاس پروگرام کے مطابق منعقد کیا جائے اور اس مجوزہ اجلاس کے منتخب صدر کی حیثیت سے لاہور کے ریلوے سٹیشن پر آپ کا شایان شان استقبال کیا جائے۔ سیاست ایک پرفریب کھیل ہے۔ اس میں یہ دیکھنا خاصا دلچسپ ہوتا ہے کہ ہوشیار سیاستدان اپنا کردار کس طرح ادا کرتے ہیں۔ ایک سے زیادہ موقعوں پر سر سکندر حیات نے اپنے جانشینوں کے طرز عمل کے خلاف آخری وقت پر قائداعظم کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اس طرح مسلمانوں کے اس عظیم رہنما کی غیر متنازع مقبولیت کو تسلیم کیا۔

لاہور کے اجلاس کا آغاز میری نظم سے ہوا:۔

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم جاں ہے محمد علی جناح

رکھتا ہے دل میں تاب وتواں نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح
اے قوم اپنے قائداعظم کی قدر کر
اسلام کا نشان ہے محمد علی جناح

اس اہم اجلاس میں قرارداد پاکستان کے ذریعہ ہندوستان کے منتشر مسلمانوں کے لیے واضح طور پر اور غیر مبہم انداز میں اس سمت اور اس شاہراہ کی نشاندہی ہوئی جو انہیں ایک آزاد، خودمختار اور خوددار قوم کی حیثیت سے اپنی منزل کی طرف لے جانے والی تھی۔ کچھ عرصہ تک قائداعظم اس قرارداد کو قرارداد لاہور کہنے پر مصر رہے لیکن جب ہندو پریس نے طنزاً اس قرارداد کو قرارداد پاکستان کے نام سے منسوب کیا تو قائد نے فوراً اس چیلنج کو قبول کر لیا اور اس کے بعد پورے فخر کے ساتھ اسے قرارداد پاکستان کہنے لگے۔ ۱۹۳۷ء میں پنجاب یونینسٹ پارٹی سے بہت سے زبانی اور ذہنی تحفظات کے ساتھ مسلم لیگ میں شامل ہوگئی تھی اس کا اظہار ان خطوط کے جائزے سے ہوتا ہے جو علامہ اقبال نے (مئی ۱۹۳۶ء سے لے کر نومبر ۱۹۳۷ء تک) مسٹر جناح کو لکھے اور جنہیں بعد میں قائداعظم کی ہدایت کے مطابق شائع کر دیا گیا۔ ۲۸ جنوری ۱۹۴۳ء کو قائداعظم نے مجھے بمبئی سے لکھا کہ "ان خطوط کی کیونکہ بہت سیاسی اہمیت ہے کیا آپ لاہور میں علامہ اقبال کے ان خطوط کے جواب میں میرے خطوط حاصل کر سکتے ہیں"۔ ۱۵ فروری ۱۹۴۳ء کو علامہ اقبال کے خطوط اور مسٹر جناح کی طرف سے دیئے گئے جوابات کے حوالے سے انہوں نے مجھے پھر لکھا کہ "اس تمام خط وکتابت کی اشاعت سے ہمارے لوگوں کی اور ہمارے مقصد کی جو ہمارا مطمع نظر ہے بڑی امداد ہو سکتی ہے"۔ اس کے جواب میں میں نے انہیں ۲۴ فروری ۱۹۴۳ء کو لکھا کہ چودہری محمد حسین جو علامہ اقبال کی جائداد اور املاک کے منتظم ہیں قائداعظم کے ان خطوط کو جو انہیں درکار ہیں تلاش نہیں کر سکے لہذا میری رائے ہے کہ علامہ اقبال کے خطوط کو حسب ضرورت قائداعظم کے تبصرے کے ساتھ یا بغیر شائع کر دیا جائے۔ اس پر قائداعظم نے پیش لفظ میں جو شائع ہوا تھا لکھا "یہ بہت افسوس ناک ہے کہ علامہ اقبال کے خطوط کے جواب میں میرے خطوط دستیاب نہیں ہیں"۔

پیش لفظ میں قائداعظم نے مزید لکھا "یہ مسلم لیگ کا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس کی قیادت کو دونوں مسلم اکثریت رکھنے والے صوبوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ سر محمد اقبال نے اس مقصد کے حصول میں بہت نمایاں حصہ لیا گو ابھی یہ لوگوں کے علم میں نہیں ہے۔ ان کے نظریات بنیادی طور سے میرے نظریات سے ہم آہنگ تھے"۔ ان خطوط میں سے ایک خط میں علامہ اقبال نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کو لکھا تھا "اسلام میں سماجی جمہوریت کا تسلیم کیا جانا کوئی بنیادی تبدیلی نہیں ہے بلکہ اسلام کی بنیادی صفت کی طرف واپسی ہے۔ لہذا جدید مسائل ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے زیادہ آسانی سے حل ہونے والے ہیں۔۔۔ اس کے حصول کے لیے۔۔۔ یہ ضروری ہے کہ ملک کو بانٹ دیا جائے۔ کیا آپ کے خیال میں اس مطالبے کے لیے

وقت نہیں آ گیا ہے؟''۔ ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء کو علامہ اقبال نے لکھا'' پنجاب میں مسلم لیگ کے لیے جوش و جذبے میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اور مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس کا انعقاد مسلم لیگ کی تاریخ میں ایک موڑ اور عوام کے ساتھ اس کے رابطے میں ایک اہم قدم ثابت ہوگا''۔ ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء کو علامہ نے لکھا کہ ''سر سکندر لیگ پر پوری طرح قابض ہو جانے سے کم پر کسی طرح راضی نہیں ہیں۔ میری سوچ کے مطابق اس کا مقصد لیگ کو فتح کرنا ہے اور پھر اس کے بعد اسے ختم کر دینا ہے۔ میں لیگ کو سر سکندر حیات اور ان کے دوستوں کے حوالے کرنے کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں''۔ اپریل ۱۹۳۸ء میں علامہ اقبال کا انتقال لاہور میں ہوا اور مارچ ۱۹۴۰ء میں لیگ کا اجلاس پاکستان منعقد ہوا تاہم قرارداد پاکستان کے منظور ہو جانے کے بعد بھی لیگ پر قبضہ کرنے اور اسے بے اثر کر دینے کے لیے یونینسٹوں کے ہتھکنڈے برابر جاری رہے۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو قائداعظم نے مجھے لکھا ''میں آپ کی اس یقین دہانی کے لیے شکر گذار ہوں کہ آئندہ آپ مجھ سے برابر رابطہ رکھیں گے۔ لہذا میں نے اپنے خط مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۴۱ء میں انہیں لکھا کہ مجھے بہت افسوس ہے کہ پنجاب کے یونینسٹ مسلمان مسلم لیگ کی امداد نہ کر سکے۔ مزید یہ کہ کچھ مخلص اور جوشیلے مسلمان طلباء مجھ سے ملے ہیں اور مجھ سے مشورہ کیا ہے کہ یونینسٹ ہتھکنڈوں کو ناکام کرنے اور پنجاب کے مسلمان عوام میں مسلم لیگ کو مقبول بنانے کے لیے لاہور میں ان کی طرف سے قائداعظم کی صدارت میں ایک پاکستان کانفرنس منعقد کی جائے۔

طلباء کا ایک وفد بھی قائداعظم سے ملنے کے لیے گیا۔ وہ تشریف لائے اور یکم مارچ ۱۹۴۱ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے میدان میں طلباء نے ایک جلسۂ عام منعقد کیا جس کی صدارت قائداعظم نے کی۔ قائداعظم نے جن یادگار الفاظ سے اپنے خطاب کا آغاز کیا وہ آج بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں'' حضرات آج یکم مارچ ہے۔ ہمیں اگے مارچ کرنا چاہیے'' دوسرے دن جب طلباء کا ایک گروہ ان سے نیڈوز ہوٹل میں ملنے گیا تو انہوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ میں پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے کام شروع کر دوں۔ میں نے ایک سال تک اس حیثیت سے کام کیا جس کے بعد میں نے انہیں لکھا اور درخواست کی کہ مجھے اس مفید لیکن مشکل کام سے بچا لیا جائے اور اگر قائداعظم منظور فرمائیں تو یہ کام حمید نظامی کے سپرد کر دیا جائے جنہیں میں نے راضی کر لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ایک سال کے اندر جب میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر تھا پنجاب کے وزیر اعلی نے پوری کوشش کی کہ مجھے فیڈریشن کی تنظیم اور اس کی سرگرمیوں سے باز رکھیں۔ میرا جواب واضح تھا کہ میں قائداعظم کا تابعدار ہوں جب تک وہ مجھے نہیں روکیں گے میں ان کی ہدایت کے مطابق پنجاب میں مسلمان طلباء کی سیاسی سرگرمیوں کی رہنمائی کرتا رہوں گا۔

قائداعظم نے صحیح اندازہ کیا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان قوم کی قوت کا دارومدار نوجوان نسل پر ہے جنہیں یہ ترغیب دی جائے اور ان میں یہ جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ قومی معاملات میں حصہ لیں۔ لہذا اس مسئلہ کی طرف انہوں نے خصوصی توجہ دی اور

جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہوا ان سے رابطہ رکھا۔ قائداعظم کے ساتھ اپنے تعلقات کے دوران میں میں نے محسوس کیا کہ بڑے لوگ ان سے ادب آداب کی پابندیوں کے ساتھ رابطہ کرتے تھے لیکن طلبا اور نوجوانوں سے وہ بلا تکلف ملتے تھے۔ مارچ ۱۹۴۱ء میں لاہور میں مسلمان طلبا کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا "میرے نوجوان دوستو! آپ لوگ سب سے پہلے قومی تعمیر کے کاموں کی طرف توجہ کریں"۔ جوان کے خیال کے مطابق تعلیم، تجارت اور دفاع سے متعلق تھے۔ ایک ہفتہ کے بعد علی گڑھ میں مسلمان طلبا سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ "علی گڑھ مسلم ہندوستان کا اسلحہ خانہ ہے اور آپ لوگ اس کے بہترین سپاہی ہیں۔ پورے ملک میں پھیل جایئے، انہیں تعلیم دیجیے، انہیں بیدار کیجیے، انہیں بتائے کہ ہماری منزل کیا ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ اپنی چھٹیاں اس تعمیری کام پر صرف کر دیجیے"۔

دوسرے سال نومبر ۱۹۴۲ء میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے چھٹے سالانہ اجلاس منعقدہ جالندھر میں جس کی صدارت قائداعظم نے کی میں نے قائداعظم کی نگرانی میں مستعدی کے ساتھ حصہ لیا۔ وہاں استقبالیہ کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے میں نے اردو میں خطاب کیا۔ اس خطاب میں میں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری کا تاریخی جائزہ لیا اور اسلام کی روحانی مساوات کا ذکر کرتے ہوئے مسلمان نوجوانوں کو قومی آزادی کی شاہراہ پر قدم بڑھانے کی طرف متوجہ کیا۔ قائداعظم نے اسی وقت مجھے بتایا کہ وہ میرے نظریات سے متفق ہیں اور طلباء کی اس کانفرنس کی کامیابی سے بیحد متاثر ہوئے ہیں۔ جالندھر سے میں اور میری اہلیہ ان کے اور مس جناح کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ہم پہلے کپورتھلہ گئے اور وہاں سے امرتسر اور لاہور پہونچے۔ ان تمام مقامات پر قائداعظم کا استقبال بڑے بڑے مجموں میں کیا گیا جہاں قائداعظم نے خطاب کیا اور لوگوں نے انہیں اپنی امداد کا یقین دلایا۔ آٹھ مہینہ پہلے اپریل ۱۹۴۲ء میں میری درخواست پر قائداعظم نے مجھے پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے فارغ کر دیا تھا اور مجھے لکھا تھا کہ ایک دن قوم کو تمھاری خدمات کی ضرورت پڑے گی لہذا ۳۱ جولائی ۱۹۴۲ء کو قائد نے مجھے مطلع کیا کہ انہوں نے مجھے آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا ممبر مقرر کر دیا ہے۔

۱۶ اگست کو میں نے انہیں سرینگر سے خط لکھا اور اس اعزاز کا شکریہ ادا کیا جو انہوں نے مجھے عطا کیا تھا لیکن جب میں نومبر میں انہیں دہلی میں ملا تو میں نے عرض کیا کہ گو میں ان کی قیادت میں خدمات بجالانا اپنے لیے ایک بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں لیکن ایک تجربہ کار سیاست دان کے مقابلے میں اس کام کو شاید خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام نہ دے سکوں۔ انہوں نے فوراً جواب دیا "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں لیگ کو سیاست دانوں کے حوالے کر دوں جن پر میں اعتماد نہیں کر سکتا۔ میں کم از کم یہ ضرور جانتا ہوں کہ تم ہمارے ساتھ وفادار رہو گے۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں شرکت کر سکو گے اور اپنے صوبے میں تمام سیاسی تبدیلیوں سے مجھے مطلع رکھو گے"۔

میں نے اپنے بہت محدود تجربے اور صلاحیت کے ساتھ اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کی جو میرے سپرد کیا گیا

تھا۔ ہزاروں دوسروں کی طرح میں بھی قائداعظم کو ایسا سیاسی رہنما سمجھتا تھا جنہیں خریدا نہیں جا سکتا تھا اور نہ مرعوب کیا جا سکتا تھا۔ جو مخلص تھے، دیانتدار تھے اور جرات مند تھے جن کے پاس وسیع سیاسی تجربہ تھا اور مستقبل میں ہندوستان کے مسلمانوں کے مقدر کی واضح شکل جن کے ذہن میں موجود تھی۔

اگست ۱۹۴۲ء میں جب میں سرینگر میں تھا کشمیر کے چند مسلمان لیڈروں سے میرا رابطہ ہوا اور کچھ دوسرے معاملات کے علاوہ میں نے چودہری غلام عباس اور میر واعظ کے درمیان صلح کرانے میں مدد دی۔ اس طرح میں کشمیر کے معاملات میں دلچسپی لیتا رہا اور وقتاً فوقتاً قائداعظم کو بھی ان حالات سے مطلع کرتا رہا میں نے انہیں چودہری غلام عباس کے بارے میں لکھا اور چوہدری غلام عباس آئندہ موسم سرما میں ان سے دہلی میں ملے۔ ۱۰ دسمبر کو میں نے کشمیری کانگریسی مسلمانوں کے ساتھ مل کر کشمیر کے وزیر اعلیٰ آئنگر کی شرارت آمیز سرگرمیوں کی طرف قائداعظم کو متوجہ کیا اور یہ تجویز پیش کی کہ آئنگر کیونکہ کشمیر میں چھ سال سے زیادہ برسر اقتدار رہ چکا ہے لہٰذا وائسرائے سے بات کر کے اگر ممکن ہو تو اس کی بجائے کسی ایسے شخص کا تقرر کرائیں جو اس کے مقابلے میں مسلمانوں کا کم مخالف ہو۔ قائداعظم نے ۳ جنوری ۱۹۴۳ء کو مجھے لکھا کہ کشمیر کے متعلق ابھی انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے اور کس طرح کرنا چاہیے لیکن یہ معاملہ یقیناً ان کے زیر غور ہے۔

۱۹۴۳ء میں پنجاب مسلم لیگ کے اندر کچھ باہمی اختلافات اور شکر رنجیاں پیدا ہوئیں جس کے متعلق میں نے اپنے خط مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۴۳ء قائداعظم کو مطلع کر دیا۔ قائد نے اپنے خط مورخہ ۴ جنوری ۱۹۴۳ء کے ذریعہ مجھے جواب دیا اور اپنے اس خط کی نقل منسلک کر دی جس میں انہوں نے لاہور کے سب سے بڑے فتنہ پرداز کو سخت تنبیہہ کی تھی۔ اس بے حد جاہ پسند شخص کے متعلق جو مستقل قائداعظم کے آگے پیچھے لگا رہتا تھا انہوں نے مجھ سے ایک دفعہ مزاحاً کہا تھا "مجھے اس شخص سے کون بچا سکتا ہے؟" اپنے سخت اور بروقت طرز عمل کی وجہ سے قائد اس اندرونی خلفشار پر قابو پانے اور ان لوگوں کے لیے راستہ ہموار کرنے میں کامیاب ہو گئے جو خلوص کے ساتھ لیگ کی خدمت کر رہے تھے۔ ۲۴ مارچ کو انہوں نے مجھے لکھا کہ "مجھے امید ہے ممدوٹ اور تم مجھے حالات سے مطلع کرتے رہو گے اور وقتاً فوقتاً جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان سے مجھے باخبر رکھو گے۔ اگر ضرورت پڑی تو میں فوراً لاہور پہونچ جاؤں گا۔

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ کے بعد جب کانگریس نے برطانوی ہندوستان کے سات صوبوں میں حکومت کرنا شروع کی تو قائداعظم کے زبردست اثر و رسوخ کے سبب اور ان کی لائق رہنمائی میں مسلم لیگ مسلمان عوام میں ایک عوامی تحریک بن گئی۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اور بالخصوص مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس پاکستان منعقدہ لاہور کے بعد نہ صرف مسلمانوں کے مسائل حل کرانے کی کوششوں کی وجہ سے بلکہ اپنے خیالات کو ان تک اس زبان میں پہنچانے کی وجہ سے جسے وہ سمجھتے تھے اور ان کی روحانی سوچ اور عقائد کو پرخلوص انداز میں سمجھنے کی وجہ سے قائداعظم مسلمان عوام کے

زیادہ سے زیادہ قریب آ گئے۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود وہ اردو میں اپنے اظہار خیال کو بہتر بنانے اور تقریر کے دوران اپنی غلطیوں کا جائزہ لے کر انہیں دور کرنے کا وقت نکال لیتے تھے۔ ان کی ہدایت پر میں نے ۱۷ اپریل ۱۹۴۳ء کو اس سلسلے میں انہیں خط لکھا اور ان کی مدد کرنے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ انہوں نے بابائے اردو مولوی عبدالحق سے کہا تھا کہ "میری اردو تانگہ والوں جیسی اردو ہے" تاہم عوام کی فلاح و بہبود میں اپنی دلچسپی کے پیش نظر انہوں نے اردو بولنے میں اچھی استعداد حاصل کر لی اور اپنے آخری پانچ سالوں میں وہ قومی زبان میں پہلے کے مقابلے میں زیادہ روانی اور صحت لفظی کے ساتھ آدھے گھنٹے تک تقریر کرتے رہتے تھے۔

جہاں تک ان کے مذہبی رجحانات اور عقائد کا تعلق ہے مجھے حیرت ہوئی کہ جس طرح ان کی شہرت تھی اب وہ لامذہبی سوچ رکھنے والے انسان نہ رہے تھے۔ ۱۹۴۲ء یا ۱۹۴۴ء کے دوران میں ایک دفعہ جب میں ان سے ان کی نئی دہلی کی رہائش گاہ ۱۰۔ اورنگزیب روڈ پر ملا اور مسلمانوں کی موجودہ حالت اور ان کے مستقبل کے بارے میں اپنی پریشانی اور اپنے شکوک کا اظہار کیا تو انہوں نے مجھے میری مایوسی اور میری تنقید پر ٹوکا اور قرآن پاک کی طرف اشارہ کیا جو قریب ہی میز پر رکھا ہوا تھا اور نہایت سنجیدگی سے کہا "ہم کیوں پریشان ہوں اور مایوس ہوں جب ہمارے پاس ہماری عظیم کتاب ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے"۔ ان کے اس جملے سے میرے ذہن پر بہت گہرا اور دیرپا اثر پڑا۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی کے آخری دن قائداعظم نے اپنی تقریر کے اختتام پر یہ فرمایا" وہ کیا چیز تھی جس نے مسلمانوں کو ایک فرد کی حیثیت سے متحد رکھا۔ مسلمان قوم کے لیے وہ کیا مضبوط اساس تھی وہ کیا اہم سہارا تھا؟" پھر خود ہی جواب دیا "وہ اسلام تھا اور یہ عظیم کتاب قرآن مسلم ہندوستان کا اہم سہارا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں اور زیادہ یک جہتی پیدا ہوگی یعنی ایک خدا، ایک قرآن، ایک رسول اور ایک قوم"۔

اور دیکھئے کہ قائداعظم نے ہمارے لیے اسلام کی کس طرح ترجمانی کی۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی کارپوریشن کی طرف سے پیش کیے گئے سپاسنامے کے جواب میں انہوں نے فرمایا "ہمارا یہ مقصد ہے کہ ہم نہ صرف افلاس اور ہر قسم کے خوف کو دور کریں بلکہ آزادی، اخوت اور مساوات کو اس نہج پر حاصل کریں جس کا اسلام نے ہمیں حکم دیا ہے۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو عید کے موقع پر اپنے خطاب میں انہوں نے اعلان کیا کہ ہم دنیا کو یہ دکھلا دیں گے کہ ریاست صرف زندہ رہنے کی ضمانت نہیں دیتی بلکہ اچھی زندگی گذارنے کی ضامن ہے۔ قائداعظم نے اسلامی جمہوریت کا اپنا نظریہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا:۔

"یہ میرا عقیدہ ہے کہ ہماری نجات کا دارومدار انسانی کردار کے ان سنہری اصولوں پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم مقنن اور اللہ کے رسول نے ہمارے لیے مرتب کیے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح اسلامی نظریات اور اصولوں پر رکھنی چاہئیں۔ ہمارے اللہ نے ہمیں بتایا ہے کہ ریاست کے معاملات باہمی صلاح ومشورے کے ذریعہ طے ہوں گے"۔

وہ تمام مظلوموں کے مخلص دوست تھے۔ایک سے زیادہ مواقع پر انہوں نے مسلمان خواتین کے حقوق کی حمایت کی۔۱۰مارچ ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین میں اپنے خطاب میں فرمایا''زندگی کے ہر شعبے میں آپ کو اپنی خواتین کو اپنے ساتھی کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہئے۔اور مغربی معاشرے کی بدعنوانیوں سے بچنا چاہیے''۔جولوگ قائد کو محض صاحب لوگ سمجھتے ہیں انہیں ان کے اس حیرت انگیز اور متوازن اظہار خیال اور نصیحت پر غور کرنا چاہیے۔

علامہ اقبال اور قائداعظم دونوں حقیقی معنوں میں ایک مساوات پسند نظام کی حیثیت سے اسلام میں یقین رکھتے تھے۔دونوں نے رجعت پسند خیالات اور انتہائی جدید نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے علامہ اقبال نے اپنے خط مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء میں اسلام کو سماجی جمہوریت قرار دیا اور فرمایا'' ذاتی طور سے میرا عقیدہ ہے کہ ایک سیاسی تنظیم (ریاست) جو ایک اوسط درجے کے مسلمان کے معیار زندگی کو بہتر نہیں بنا سکتی عوام کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔اسلامی قانون کے مطابق روزی حاصل کرنے کا حق ہر فرد کو حاصل ہے۔علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل مشہور اشعار سے کون واقف نہیں ہے:۔

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اب دیکھئے کہ ۲۴اپریل ۱۹۴۳ء کے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی میں اپنے صدارتی خطبے میں قائداعظم نے کیا فرمایا تھا:۔

'' مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں عوام کی حکومت ہو گی۔مجھے یقین ہے کہ جمہوریت ہمارے خون میں شامل ہے اور یہ عوام کی حکومت ہو گی۔اس موقع پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو تنبیہہ کرنا چاہتا ہوں جو ہمارا استحصال کر کے ایک ایسے نظام کے تحت پھلے پھولے ہیں جو اتنا قابل ملامت اور اتنا خراب ہے اور جس نے انہیں اتنا خود غرض بنا دیا ہے کہ انہیں قائل کرنا بہت مشکل ہے۔عوام کا استحصال ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔وہ اسلام کے عطا کئے ہوئے سبق کو بھول گئے ہیں۔یہاں لاکھوں کی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو بمشکل اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔کیا یہی ہمارا تمدن ہے۔کیا یہی حصول پاکستان کا مقصد ہے۔اگر پاکستان کا نظریہ یہ ہے تو مجھے ایسا پاکستان نہیں چاہیے۔اگر وہ سمجھدار ہیں تو انہیں زندگی کے نئے رجحانات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہوگا۔پاکستان کا دستور ملت اور پاکستان کے عوام ہی بنائیں گے''۔

اپنے انتقال سے چھ مہینے پہلے ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو چٹاگانگ کے عام جلسے میں خطاب کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں فرمایا "پاکستان کی بنیادیں سماجی انصاف اور اسلامی مساوات کے نظریوں پر رکھی جانی چاہئیں جو مساوات اور انسانی بھائی چارے کے ضامن ہیں"۔ لہذا ہمیں بھولنا نہیں چاہیے کہ سماجی جمہوریت اور اسلامی مساوات دو عظیم نظریے ہیں جو حکیم الامت علامہ اقبال اور قائداعظم نے ہمیں عطا کئے۔ انہوں نے ہمیں ان کے نفاذ کے لیے بھی رہبری فرمائی۔

بحرانی حالات سے دوچار ہونے پر قائداعظم نے ہمیشہ انکا مقابلہ کیا اور اپنی قوم اور پورے ہندوستان کو بتادیا کہ وہ ایک مخلص اور توانا رہنما ہیں۔ اپریل ۱۹۴۴ء میں لاہور میں جناح۔ خضر بات چیت کے ناکام ہوجانے کے بعد مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ممدوٹ ولا میں ہم نے تحسین اور احترام کے ساتھ ٹیلیفون پر ان کی گرجدار آواز سنی جب وہ پنجاب کے وزیراعلیٰ کو الوداعی کلمات کہہ رہے تھے جو پنجاب مسلم لیگ پر قائداعظم کے اعتراضات کے کما حقہ جائزہ لینے کی بجائے ٹال مٹول سے کام لے رہے تھے:۔

"خضر تم نے دیوانگی کا رستہ اختیار کیا ہے جو تمھیں تباہی کی طرف لے جائے گا"

مہینہ کے آخر میں قائد نے سیالکوٹ میں لیگ کانفرنس کی صدارت کی اور اپنی تقریر میں پنجاب کے وزیراعلیٰ کے طرز عمل پر تنقید کی اور مسلم لیگ کے ساتھ بدعہدی کے سلسلہ میں ان کی خامیاں بیان کیں۔ سیالکوٹ کی مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کرنے کے فوراً بعد قائداعظم نے فرمایا "مسلمانوں میں غدار بھی ہیں ہمیں ان پر قابو حاصل نہیں ہے لہذا ہمیں انہیں نظر انداز کرنا چاہیے اور اپنا کام کرتے رہنا چاہیے۔ لوگ مجھے ڈکٹیٹر کہتے ہیں لیکن یہ میرا فرض ہے کہ میں اپنی پارٹی کے ان اراکین سے جو غلطیاں کرتے ہیں وضاحت طلب کروں"۔ میں سیالکوٹ کی کانفرنس میں شریک ہوا تھا اور وہاں قائداعظم کے لیے جو جوش وجذبہ پایا جاتا تھا اس کا اندازہ بھی کیا۔

اس کانفرنس کے نتیجے میں پنجاب مسلم لیگ کو بہت تقویت ملی اور اس کا اثر دانشوروں اور عوام میں تیزی سے پھیلنے لگا۔ بحیثیت سیکرٹری اشاعت دوسرے صوبائی لیڈروں کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے میں نے خود ہی تقریباً نصف درجن پمفلٹ اردو میں تیار کئے مثلاً:۔ پاکستان کیا ہے؟ کب ملے گا اور کیونکر؟

مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی۔۔۔ پنجاب کی کہانی قائداعظم کی زبانی

میں نے ان کی نقلیں اور انگریزی میں ان کا خلاصہ قائداعظم کو بھیج دیا۔ قائداعظم انہیں وصول کر کے بہت خوش ہوئے۔ دو مہینہ پہلے انہوں نے مجھ سے انگریزی میں کچھ پمفلٹ منگائے تھے جو آل انڈیا مسلم لیگ اور پنجاب مسلم لیگ نے شائع کئے تھے اور میں نے بھیجدئے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً سیاسی نوعیت کی تحریروں کو پڑھنا پسند کرتے تھے تاکہ سیاسی سطح پر جو کچھ وقوع پذیر ہورہا ہے اس سے باخبر رہیں۔

۱۴ نومبر ۱۹۴۵ء کو میں نے انہیں لکھا ''جہاں تک پنجاب کے عام حالات کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ آپ کے علم میں ہوگا کہ یہاں دوررس تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔ مسلم لیگ کی تحریک دیہی علاقوں میں بھی غیر متوقع تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ مسلم لیگ کے لیے یہ نیا جذبہ بلاشبہ آپ کی مافوق البشر کوششوں اور حیرت انگیز دوراندیشی کا نتیجہ ہے۔ مسلم ہندوستان کے لیے آپ کی خدمات اب بارآور ہو رہی ہیں''۔

آخر میں چند واقعات کا ذکر کرنا مزید پسند کروں گا جو مجلس عاملہ میں جس کا میں تقریباً پانچ سال ممبر رہا قائد کے ساتھ میری ملاقات کے دوران میں رونما ہوئے۔ کچھ لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ بہت سخت گیر تھے اور زبردست ڈکٹیٹر تھے اسی لیے وہ کسی کی بات نہیں سنتے تھے۔ یہ تاثر بالکل غلط اور گمراہ کن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خود محنتی اور مخلص کارکن تھے اسی لیے وہ دوسروں سے بھی توقع رکھتے تھے کہ قوم کے مفاد کے لیے خلوص اور محنت سے کام کریں لیکن اس کے باوجود وہ ایک متحمل مزاج اور جمہوری لیڈر تھے مجلس عاملہ کے اجلاس میں وہ گھنٹوں ایک لفظ بولے بغیر دوسروں کو سنا کرتے تھے۔ مجلس عاملہ کے اجلاسوں میں جب کسی اہم مسئلے پر بحث ہو رہی ہوتی تھی تو ان کی خواہش ہوتی تھی کہ ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کرے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک موقع پر انہوں نے ہمارے پنجاب کے ایک ممبر سے مزاحاً اردو میں کہا ''آپ بھی کچھ کہیں''۔ میں خود بھی مجلس عاملہ کے بہت کم بولنے والے اراکین میں سے تھا حالانکہ ان کی اثر آفریں موجودگی میں ان کا طرز عمل اتنا حوصلہ افزا اور فرحت بخش ہوتا تھا کہ میں ان کے ساتھ اپنی نجی ملاقاتوں میں اپنے دل کی بات ان سے کہہ سکتا تھا اور آزادی کے ساتھ پوری تفصیل سے ان کے ساتھ بات کرتا تھا۔ مارچ ۱۹۴۵ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک اجلاس لاہور میں منعقد ہونا تھا لیکن قائداعظم کی علالت کی وجہ سے اسے غیر معینہ مدت کیلیے ملتوی کرنا پڑا۔ میں دوسرے کارکنوں کے ساتھ اس اجلاس کی تیاری میں مصروف تھا۔ میں نے قومی اسلامی نمائش کے لیے جو اجلاس کے ساتھ ہی ہونے والی تھی کچھ علمی کام کرنے کا وعدہ کیا تھا اس کے لیے میں نے سولہ چارٹ اردو میں تیار کیے جن میں میں نے عہد نبوی سے لے کر علامہ اقبال اور قائداعظم کے زمانے تک تاریخی واقعات اور مسلمانوں کی ثقافتی ترقی کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا تھا۔

لیگ کا یہ اجلاس ملتوی ہو جانے کی بنا پر میں اپریل ۱۹۴۵ء میں قائداعظم کی عیادت کے لیے دہلی گیا۔ وہ بیماری سے افاقے کے بعد اوپر کی منزل میں آرام کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے اوپر بلا لیا اور حالانکہ مس جناح نے مجھے بتا دیا تھا کہ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق ان سے ملاقات پر پابندی ہے لیکن قائداعظم نے اپنی روایتی خوش اخلاقی اور اپنے کارکنوں کی کارکردگی میں دلچسپی کی وجہ سے مجھ سے ایک گھنٹہ تک بات کرتے رہے۔ ہم نے ہندوستان کے سیاسی حالات پر تبادلۂ خیال کیا۔ اسلامی تاریخ، اسلامی روایات اور لیگ کے اشاعتی کام میں ان کی دلچسپی کے پیش نظر میں نے انہیں تاریخی چارٹ دکھائے جن کا مختصر خلاصہ میں انگریزی میں ان کے لیے تیار کر کے لایا تھا۔ انہوں نے دلچسپی کے ساتھ انہیں دیکھا اور انہیں چھپوانے کی ہدایت دے کر میری

حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ یہ بہت مفید ثابت ہوں گے۔ وہ ابھی بستر میں آرام کر رہے تھے لیکن نہایت صفائی کے ساتھ لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ ان کی نگاہوں میں ایک دلآویز تازگی تھی۔ رخصت ہونے سے پہلے میں نے ایک مرتبہ پھر مزاج پرسی کی تو انہوں نے جواب دیا کہ "اب میں پوری طرح ٹھیک ہوں"۔

درحقیقت وہ پوری طرح صحت مند نہ تھے۔ کام کا بوجھ اور قوم کے لیے ان کی مستقل پریشانی ان کی صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھی۔ اپنے فرض کے ساتھ لگاؤ اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کوشش جو مسلمانوں کو آزادی سے ہمکنار کرنا اور انہیں ترقی دینا تھا، وہ اپنی بیماری پر قابو پانے اور اپنی جسمانی کمزوری کو دور کرنے کے لیے اپنی زبردست قوت مدافعت سے برابر کام لے رہے تھے، اس وجہ سے دنیا سے ان کی رحلت حصول پاکستان اور اس کے کچھ عرصے بعد تک کے لیے ملتوی ہوگئی تھی۔ ۲۵ اپریل ۱۹۴۵ء کو میرے خط کے جواب میں انہوں نے مجھے بمبئی سے لکھا "مجھے آپ کو یہ بتا کر خوشی ہو رہی ہے کہ اب میں پہلے سے بہتر ہوں اور بہت جلد بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ مجھے کچھ عرصے کے لیے مکمل آرام کی ضرورت ہے"۔ یہ مکمل آرام ان کی اس دنیاوی زندگی کے آخری دن تک انہیں نصیب نہ ہوا۔

قائداعظم کی زندگی کے آخری تین سالوں میں بہت سے اہم واقعات رونما ہوئے۔ اس نازک وقت میں اور سیاسی نشیب وفراز کے اس دوران میں وہ جرات مندی کے ساتھ اپنے مؤقف پر قائم رہے اور اپنے پیروکاروں کو بھی دل نہ چھوڑنے کا حوصلہ دیتے رہے۔ ۲۵ جون سے لے کر ۱۴ جولائی تک شملہ کانفرنس کے دوران میں جب لارڈ ویول نے مسلم لیگ کو اس بات پر رضامند کرنے کے لیے پورا زور لگایا کہ وہ وائسرائے کی کونسل میں نمائندگی کے مصالحتی فارمولے سے اتفاق کر لے۔ لیگ کی مجلس عاملہ کے بہت سے اراکین یہ رائے رکھتے تھے کہ لیگ کیونکہ اتنی طاقتور نہیں ہے کہ اس بات پر مصر ہو کہ تمام مسلم نمائندے لیگ کے نامزد کردہ ہوں لہذا ہمیں مصالحت کر لینی چاہیے۔ ہم نے اس سلسلے میں نوابزادہ لیاقت علی خان سے بات کی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم اس مؤقف کے حق میں ہیں تو ہم قائداعظم کے پاس جانے اور اپنی رائے سے انہیں آگاہ کرنے کی جرأت کیوں نہیں کرتے۔ ہم اس کے لیے رضامند ہو گئے۔ جب میرے بولنے کا نمبر آیا اور میں نے مصالحت کے حق میں دلائل دیئے تو قائد نے مجھے تھپکی دی اور کہا "میرے بیٹے اتنی جلد نہ گھبراؤ"۔ ہمارا مطالبہ صحیح ہے اور ہمیں اس پر قائم رہنا چاہیے۔" ہم نے یہ محسوس کیا کہ لیگ اتنی مضبوط نہیں ہے لیکن ہم نے اس وقت قائداعظم کی تن تنہا قوت کو نظر انداز کر دیا وہ اپنے مؤقف پر قائم رہے۔ شملہ کانفرنس ناکام ہوگئی لیکن مسلمان قائداعظم کی مستقل مزاجی کی وجہ سے بالآخر کامیاب ہو گئے جیسا کہ جنوری ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات کے نتائج نے ثابت کر دیا۔

جیسا کہ بولیتھو نے ان کی سوانح عمری میں لکھا ہے:۔

"صوبائی اسمبلیوں اور مرکزی اسمبلی دونوں جگہ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی پوری طرح مکمل تھی۔ یہ جناح کی

زندگی کا عظیم الشان واقعہ تھا۔ ان کی زبردست معرکہ آرائیاں، ان کے توانا عقائد اور دعوے صحیح ثابت ہوئے۔ جناح اب دوبارہ کہہ سکتے تھے "دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کو معرض وجود میں آنے سے نہیں روک سکتی"۔

لیگ کی مجلس عاملہ میں قائداعظم ہمارے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے اور ہمارا بڑا خیال رکھتے تھے۔ لیکن جب بھی وہ محسوس کرتے تھے کہ ہماری تنبیہہ ہونی چاہیے تو وہ اس سے نہ چوکتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے شکایت کی کہ انہیں تمام ضروری معلومات سے باخبر نہیں رکھا جاتا اور طنزاً کہا کہ لاہور کی ایک تنظیم ہمارے مقابلے میں انہیں زیادہ معلومات باقاعدگی کے ساتھ فراہم کرتی ہے اور بہت سے کارآمد اخباری تراشے بھی بھیجتی ہے۔

ایک واقعہ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔ ستمبر ۱۹۴۶ء میں بہار کے خوفناک فسادات میں مسلمانوں کے قتل وغارت کے بعد دہلی میں کانگریس کے حکومت سنبھالتے ہی وائسرائے نے ایک مرتبہ پھر مسلم لیگ کو اپنی ایگزیکٹو کونسل میں کچھ نشستوں کی پیشکش کی۔ اکتوبر کے شروع میں یہ مسئلہ مجلس عاملہ کے سامنے پیش ہوا۔ ہمارے تمام سینیئر ممبروں نے قائداعظم سے درخواست کی اور ان پر زور دیا کہ وہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں شامل ہو جائیں کیونکہ ان کے بغیر نہرو اور دوسرے کانگریسی ممبروں کے مقابلے میں لیگ صحیح معنوں میں اپنا کردار ادا نہ کر سکے گی۔ اس بات پر بہت دیر بحث ہوتی رہی۔ یہ مشکوک تھا کہ قائداعظم اس کے لیے تیار ہوں گے۔ انہوں نے تمام دلائل غور سے اور خاموشی سے سنے۔ بالآخر انہوں نے صرف ایک ہی بات تنبیہہ آمیز لہجے میں کہی اور سب کو خاموش کر دیا۔ ان کا جواب نہایت معقول تھا۔ انہوں نے نرمی سے لیکن زور دے کر کہا "حضرات میں آپ کا شکر گذار ہوں لیکن میری قطعی رائے یہ ہے کہ مجھے کابینہ میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ کیا آپ جانتے ہیں کیوں؟ اگر میں کابینہ میں شامل ہو جاتا ہوں تو حکومت کے باہر میری حمایت کون کرے گا۔ حضرات میری اس بات پر آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں ہی مسلم لیگ ہوں۔ جب کابینہ میں چلے جانے کی وجہ سے میں مسلم لیگ میں نہیں رہوں گا تو میری حمایت کے لیے مسلم لیگ کا وجود ختم ہو جائے گا۔ پھر آپ کیا کریں گے؟ پھر نواب زادہ لیاقت علی خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا "لیاقت آپ کابینہ میں شامل ہو جائیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کام کو صحیح طریقے سے کر لیں گے۔ میں اور آل انڈیا مسلم لیگ یہاں سے آپ کی حمایت کرتے رہیں گے۔ آپ یقین کیجیے آپ ان ذمہ داریوں کو ضرور نباہ لیں گے"۔ تمام لوگ متفق ہو گئے اور اس فیصلے کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھی۔ اس وقت تاریخ انگلستان سے ایک واقعہ میرے ذہن میں آیا۔ انگلستان اور فرانس کے درمیان جنگ ہفت سالہ ہو رہی تھی (۱۷۵۶-۱۷۶۳) اور تقریباً ہر جگہ فرانس کو کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ انگلستان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔ اس وقت ولیم پٹ انگلستان کے وزیراعظم کی حیثیت سے براقتدار آیا۔ اس نے کہا "میں جانتا ہوں کہ صرف میں ہی اس ملک کو بچا سکتا ہوں"۔ تاریخ عالم کے نازک موقعوں پر عظیم انسانوں نے وقت کی آواز کو سنا ہے اور تمام تنقیدوں اور مخالفتوں کے باوجود جرأت مند اور فیصلہ کن انداز میں اس کا جواب دیا ہے۔ اس طرح نہ صرف انہوں نے اپنی قوم کی

خدمت کی بلکہ انسانیت کو ہلاکت سے بچالیا۔ قائداعظم ایسے ہی عظیم انسان تھے۔ اسی طرح جب مایوس کن حالات تھے اور اندھیرا چھا رہا تھا تو علامہ اقبال نے ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو انہیں لکھا تھا "آج ہندوستان میں آپ واحد مسلمان ہیں جن پر اس طوفان میں جس کا شمالی مغربی ہندوستان بلکہ شاید پورے ہندوستان کو سامنا ہے صحیح رہنمائی کے لیے اعتماد کیا جاسکتا ہے"۔ طوفان آ گیا، مسلمان قوم کا جہاز طوفان کی زد میں ڈانوں ڈول تھا لیکن خوش قسمتی سے قوم کو ایک جرأت مند اور دور اندیش ملاح ہاتھ آ گیا جس نے انہیں مشکلات کے اس سمندر سے نکال لیا۔

قائداعظم درحقیقت ایک عظیم انسان تھے۔ جس طرح ۱۹۴۴ء میں پتھاپورم کے یوراج نے کہا تھا کہ میرا خیال ہے جناح جہاں بھی پیدا ہوتے اسی طرح عظیم ہوتے۔ یہ محض اتفاق ہے اور ہندوستان کے مسلمان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ مسلم لیگ کو جناح جیسا لیڈر نصیب ہوا۔

قائداعظم نے ہمارے لیے پاکستان حاصل کیا لیکن جیسا کہ ۲۱ جنوری ۱۹۴۸ء کو مسلح افواج سے اپنے مشہور خطاب میں انہوں نے کہا تھا "ہم نے پاکستان کی آزادی کی جنگ جیت لی ہے لیکن اس آزادی کے تحفظ کے لیے اور ایک مضبوط اور بھاری بنیاد پر اس کی تعمیر کے لیے سخت تر جنگ جاری ہے۔ اگر ہمیں ایک عظیم قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس جنگ کو ہمیں ایک کامیاب انجام تک لے جانا ہوگا۔ قدرت کا بے رحم قانون بقائے اصلح ہے (survival of the fittest) اور ہمیں اپنے آپ کو اس حاصل شدہ آزادی کا مستحق ثابت کرنا ہے"۔

۱۴ اگست ۱۹۴۸ء کو اپنے انتقال سے صرف ۴۸ دن پہلے اپنے آخری پیغام میں انہوں نے قوم سے ان حوصلہ افزا اور پیغمبرانہ الفاظ میں خطاب کیا تھا:۔

"مجھے اپنے لوگوں پر پورا اعتماد ہے کہ وہ ہماری گذشتہ اسلامی تاریخ، ہماری شان وشوکت اور ہماری روایات کے شایان شان ہر مرحلے پر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں گے"۔

قائداعظم کو مسلمانان پاکستان پر اعتماد تھا۔ اب انہیں اپنے آپ کو اس اعتماد کا مستحق قرار دینا ہے۔